شیر افضل افضلؔ کی اصلاحی شاعری کا ایک تنقیدی جائزہ

English Title

ڈاکٹر حمایت اللہ یعقوبی*

ڈاکٹر الطاف اللہ**

Abstract

This article analysis the literacy theme of Pashto poetry of Haji Sher Afzal Khan Afzal, popularly known as Afzal Sahib. Sher Afzal who was given the title of "Baba-i-Tanz-o-Mazah" was an educationist by profession. He remained a teacher throughout his career and got retirement as principal from the Education department of Khyber Pakhtunkhwa. In fact, he uses poetry as a conceptual apparatus to better understand the phenomenon of class-difference social-inequality, political emancipation of the poor people, use of religious for gaining worldy benifits etc. All these major themes have been explained and analysed academically in the article.

The study also explores the methodological tools through which Sher Afzal has so nicely convey his message of love through Pashto Poetry. An attempt has been made to investigate the reformative aspect of the pashto poetry of Sher Afzal to better understand his place in Pashto Arts and Literature. No doubt, Master Sher Afzal is the master of Pashto poetry who has proned this by writing on several other themes like romanticism. Islam, society culture and Pakhtun nationalism. The present article is an attempt to understand the reformative aspect of understand the reformative aspect of his poetry in more articulate and organized manner.

---

* شعبہ تاریخ، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

** سینئر ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

خلاصہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ پشتو ادب اور تاریخ میں اصلاحی طنز و مزاح کی بہت کمی ہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ طنز و مزاح کے بے راہ روی تک محدود کیا گیا ہے۔ مزاج پسندی بھی اپنے آپ میں بے پردگی اور فحاشی میں تبدیل ہوگئی ہے۔ اس سے مزاحیہ شاعری کا پورا ہیئت تبدیل ہو گیا ہے۔ یقیناً اس دور میں سنجیدہ اور متانت سے بھرپور شاعری، سبق آموز اور دلافروز کلام بہت کم سننے کو ملتے ہے۔ زیادہ تر شاعروں کو نہ تاریخ کا پتہ ہوتا ہے اور نہ سماج کو سمجھتے ہیں۔ ان کا مقصد صرف لوگوں کو ہنسانا اور داد وصول کرنا ہوتا ہے۔ ایسے شاعر سامعین کی ہنسی خوشی کے لئے اور سیاست دانوں کی خوشامد کے لیے غیر سنجیدہ اصلاح سے عاری اور بے ہودہ شاعری کا سہارا لیتے ہیں۔ اس قسم کی شاعروں کی وجہ سے بیان کا مقصد اور مفہوم فوت ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے لوگ شاعر نہیں بلکہ Joker یا بازیگر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نہ مذہب کا پتا ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اپنی تاریخ سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ نہ سماجی تغیرات کو سمجھتے ہیں اور نہ ہی خان خوانین اور سرمایہ داروں پر کڑی تنقید کر سکتے ہیں۔ وہ چڑھتے سورج کے پجاری ہوتے ہیں۔ اور خوشامدی شاعری کے ذریعے سے اپنا کام نکالنے کے ماہر ہوتے ہیں ایسے شاعر قوم کو کوئی سنجیدہ پیغام دینے سے عاری ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس شیر افضل صاحب کی شاعری کا اپنا مقام اور انداز بیان ہے۔ ان کی شاعری اصلاح وطنز و مزاح، سنجیدگی اور متانت کا ایک خوبصورت امتزاج ہے۔ ان کے کلام کا اپنا اعلیٰ ظرف اور مقام ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ان کے بغیر پشتو شاعری ادھوری ہے اور ان کے بغیر ہر ادبی محفل ادھوری ہے وہ پشتو ادب کا ایک تابندہ ستارہ ہے۔

مختصر سوانح

ماسٹر شیر افضل خان صوبہ خیبر پختونخواہ کے ضلع صوابی کے ایک مشہور گاؤں یعقوبی میں ۱۵ نومبر ۱۹۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام منتظر خان ہے جو کہ قبیلہ یوسفزئی کے ایک شاخ بلاڑ خیل سے تعلق رکھتے تھے۔ یعقوبی گاؤں میں بلاڑ خیل کا ایک بڑا محلّہ آباد ہے۔ افضل صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے سے ہی حاصل کی اور پھر پشاور یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات اور ایم ایڈ (گولڈ میڈلسٹ) کی ڈگریاں ممتاز حیثیت سے حاصل کیں۔ ۱۹۵۳ء میں سابقہ این ڈبلیو ایف پی (موجودہ خیبر پختونخواہ) کے محکمہ تعلیم میں بحیثیت استاد بھرتی ہو گئے۔ وہ اپنے وقت میں ایک فرض شناس استاد کی حیثیت سے پورے صوبے میں مشہور تھے۔ اپنی محنت کے بل بوتے پر ترقی کرتے ہوئے پرنسپل کی عہدے تک پہنچ گئے۔ اس نے اپنے زمانے میں محکمہ تعلیم میں بہت سی

اصلاحات متعارف کروائے تھے۔سکولوں میں تعلیم کی معیار کو بہتر بنایا۔استاد اور شاگرد کے روحانی رشتے کے تقدس کو اُجاگر کرنے کیلئے بہت سارے ورکشاپ اور سیمینار منعقد کئے۔سکولوں میں کھیلوں کی سرگرمیوں کے فروغ کیلئے محکمہ کھیل وثقافت کے ساتھ مل کر منصوبے بنائے۔اس نے سکولوں میں سہولیات پیدا کرنے کیلئے بہت انتھک محنت کی۔۱۹۹۳ء میں اس نے بحیثیت پرنسپل محکمہ تعلیم سے ریٹائرمنٹ لے لی۔(۱)

شاعری کی ابتدا

افضل صاحب چونکہ ایک مصروف زندگی گزارنے کے عادی تھے۔اس لیے وہ زیادہ وقت اپنے محکمہ کے کاموں میں مگن رہتے تھے۔مطالعے کے شوقین تھے تاریخ اور فلسفے کو باریک بینی سے پڑھا۔کبھی کبھار کسی محفل میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر شوقیہ شاعری کیا کرتے تھے۔وہ خود لکھتا ہے کہ شاعری میں نے شوقیہ شروع کی۔دل میں جو آتا تھا اس حوالے سے چند اشعار لکھ لیتا۔ابتدائی سالوں میں صرف چھوٹی محفلوں اور مقامی مشاعروں میں اپنا کلام پیش کرتا۔لوگ ان کے طنز ومزاح کے سٹائل کو بہت پسند کرتے تھے۔اسی دوران پشتو کے چند مشہور شعراء کے ساتھ اٹھک بیٹھک میں بہت کچھ سننے اور سیکھنے کا موقع ملا۔اس کے بعد حمد اللہ خان بسمل کے توسط سے ریڈیو پاکستان پشاور کے ایک مزاحیہ پروگرام ''گلدستہ'' میں اپنا کلام سنانے کا موقع ملا۔(۲) اس کے بعد بسمل صاحب نے ریڈیو پر اس کا انٹرویو نشر کیا۔ریڈیو پاکستان کے ساتھ اسکا تعلق بہت عرصے تک برقرار رہا۔ پاکستان ٹیلی ویژن پر افضل صاحب کو سب سے پہلے عبداللہ خان مغموم صاحب نے متعارف کروایا۔(۳) سب سے پہلے اس نے ''آغوشِ کوہستان'' کے پروگرام میں اپنا مشہور زمانہ نظم ''کباڑی کوٹ'' سنایا۔اس نظم کو پورے صوبے میں بہت پسند کیا گیا۔ ہر طرف سے تعریفوں کا سلسلہ شروع ہوا۔اس کے بعد افضل صاحب پی ٹی وی کے ہر مزاحیہ مشاعرے میں اپنے کلام سے لوگوں کو تفریح کو موقع فراہم کیا کرتے تھے۔ یہ وہ دن تھے جب افضل صاحب نے بطورِ طنز ومزاح شاعر بہت شہرت حاصل کیا۔اس کا شمار پشتو کے مایہ ناز شاعروں میں ہونے لگا۔ادبی دنیا میں وہ ماسٹر شیر افضل کے نام سے بہت مشہور ہوگئے۔ان کی شاعری کا انداز بہت ہی عام فہم اور سادہ ہے۔جسکو بچے، بوڑھے، نوجوان اور خواتین بہت پسند کرتے ہیں۔ ایک چیز جسکو افضل صاحب دوسرے شعراء سے ممتاز کرتے ہیں وہ ہے اسکی اصلاحی (Reformative) شاعری اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی شاعری طنز ومزاح سے بھرپور ہے۔اگر ایک طرف لوگ ان کی مزاح سے محظوظ ہوتے ہیں تو دوسری طرف اس کی شاعری میں ایک اصلاح اور سنجیدہ پیغام بھی ہوتا ہے۔افضل

صاحب کا کمال یہ ہے کہ وہ ایک بہت ہی سنجیدہ پیغام کولوگوں تک پہنچانے کیلئے طنز ومزاح کا سہارہ لیتا ہے۔ ان کی شاعری میں سنجیدگی ،نصیحت، معاشرتی ناہمواری،عدم مساوات، خان،مُلا، سیاستدان، پختون ثقافت، تاریخ اور مذہب کے علاوہ بہت کچھ سننے کو ملتا ہے۔ان کا مقصد مزاح کے ذریعے سماجی اصلاح ہے۔لیکن ان ک شاعری کوصرف طنز ومزاح کے پیرائے میں پرکھنا یا محدود کرنا اس کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ وہ ایک شاعر سے بڑھ کر ایک مصلح (Reformer) ہے۔ان کی شاعری میں معاشرتی برائیوں اور ناہمواریوں کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ وہ سماجی برائیوں سے نجات کے طور طریقے بھی بتا دیتا ہے۔ وہ بالکل ایک روایتی شاعر نہیں بلکہ سماجی نبض شناس شخصیت ہے۔ جو ذات پات خانزم، ملاازم اور ناانصافی پر کھل کر تنقید کرتا ہے۔ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ ان کے بغیر پشتو شاعری ادھوری ہے۔ان کا ایک مشہور نظم ''کباڑی کوٹ'' جماعت ہفتم ''موٹر سائیکل'' گیارہویں جماعت اور ''صراطِ مستقیم'' بی اے پشتو کورس میں شامل ہے جبکہ اسکی شاعری کی ایک کتاب ''سادہ بادہ وینا'' چھپ چکی ہے۔(۴)

اجمل خٹک صاحب نے بارہا افضل صاحب کو اپنا کلام چھاپنے کا کہا لیکن چونکہ اس نے بہت عرصے تک اپنا کلام جمع نہیں کیا تھا اسی لیے اس نے بہت لمبے عرصے تک اس ڈگر پر کام نہیں کیا تھا۔ اجمل خٹک، افضل صاحب کی شاعری کے حوالے سے لکھتا ہے:

> ماسٹر افضل کی خصوصیت، انفرادیت، انداز اور شاعرانہ خوبصورتی، شہرت طنز ومزاح کے رنگ میں چھپا ہوا ہے۔ اپنی اسی انفرادیت کے ساتھ ساتھ وہ ایک ایسا جامع پختون شاعر ہے جو کہ ادبی میدان کا ایک چمکتا ہوا ستارہ ثابت ہو گیا ہے۔ اسکی شاعری پختونولی، غیرت، ایمان، سماجی انصاف اور فکر واحساس سے بھرپور ہے۔ اسکی شاعری خوند، رنگ اور اثر کا ایک حسین امتزاج ہے۔ وہ اپنے مادرِ وطن سے محبت کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھتا ہے اور اسکی بقا کیلئے کسی کسی قربانی سے دریغ نہیں کریگا۔(۵)

شیر افضل صاحب نے اپنی شاعری میں پختون سماج کے ہر پہلو کا بہت باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے اور یہ ان کی شاعری کا ایک خصوصی امتیاز ہے۔اس کے کلام کا محور سماجی ذات پات اونچ نیچ، ناانصافی، عدم مساوات ہے۔ایک اور امتیازی حیثیت ان کی یہ ہے کہ وہ ان سب سماجی ناانصافیوں کے حوالے سے نصیحت، احساس، فکر اور اصلاح سے بھرپور پیغام عام لوگوں تک پہنچانے کیلئے طنز ومزاح کی شاعری کرتا ہے۔ اپنی شاعری کے ذریعے وہ خواص اور عوام دونوں کو اپنی طرف راغب کرتا ہے۔ان کی شاعری کے کردار اپنے ہی معاشرے میں سے لیے گئے ایسے لوگ ہیں جو غریب تو ہوتے ہیں لیکن کسی نہ کسی وجہ سے مشہور اور عوامی بھی

ہوتے ہیں جیسے کہ شیر گل، غریب گل، تورگل یا تورے، برکت یا برکتے اور شاپودین وغیرہ۔ یہ لوگ پختون معاشرے کے بڑے قابل قدر لوگ تھے جو سب لوگوں میں بہت مشہور تھے۔(۶)

شیر افضل صاحب کو اللہ تعالی نے بے پناہ مشاہدے کی صلاحیت سے نوازا ہے اور اپنی اسی صلاحیت کے بل بوتے پر اس نے اپنے کلام کو بام عروج پر پہنچایا ہے۔ اپنے علم و ہنر اور مشاہدے کی صاحیت کو شاعرانہ انداز میں اس طرح پرویا ہے کہ پشتو ادب میں اسکی مثال کم ملتی ہے۔ آج کل بہت کم شاعر ایسے ہیں کہ جو حقیقی معنوں میں قوم کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ اس حوالے سے ہر پختون کو افضل صاحب کی شاعری پر فخر کرنا چاہیے۔ اسکی ہر شعر میں ایک فلسفہ ہوتا ہے اسکی ہر نظم میں ایک پیغام ہوتا ہے اور وہ قوم کے ہر فرد کو مخاطب کرتا ہے۔ وہ ہر ظلم و جبر استبداد اور ناانصافی کا مقابلہ اپنی شاعری کے ذریعے سے کرتا ہے۔ کرم ستار یعقوبی صاحب ایک دفعہ اجمل خٹک کا انٹرویو لے رہا تھا۔ دورانِ گفتگو افضل صاحب کا ذکر آیا۔ تو خٹک صاحب نے اسکا ایک مشہور قطعہ بیان کیا:

ماوئ توریہ مبارک شہ خبر شوے یمہ
چی ستا پہ کور کنبی یو ککے ماہِ تابان پیدا شہ
ھغہ وئ ورشہ پہ خانانو باندِ زیرے او کہ
توری دھقان کرہ دھقان ابن دھقان پیدا شہ(۷)

ترجمہ: میں نے کہا اے توری! مبارک ہو مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ کے ہاں ایک بچہ ماہ تابان پیدا ہوا ہے توری نے کہا! جاؤ خوانین کو خوشخبری سناؤ کہ توری (کالیہ) کے گھر میں دھقان ابن دھقان پیدا ہوا ہے۔

اجمل خٹک نے اس مصرعہ کے بارے میں کہا کہ ماسٹر شیر افضل یہ ایک ہی قطعہ مجھے دے دے اور میری ساری شاعری لے لے۔ کیونکہ اس میں وہ بہت خوبصورتی سے سماجی ناہمواری کا ذکر کرتا ہے۔(۸)

افضل صاحب نے اپنے آپ کو مذہب، سیاست، سماج اور عوامی معاملات سے باخبر رکھتا ہے اس نے بایزید انصاری، اخوند درویزہ، سید علی ترمذی کو بھی پڑھا ہے اور خوشحال اور اقبال کو بھی سمجھا ہے۔ وہ غنی خان کے کلام اور عبدالغفار خان کے نظریات پر بھی بحث کرتا ہے اور اجمل خٹک پر بھی تنقید کرتا ہے۔ اس نے کمیونزم، سوشلزم، سرمایہ دارانہ نظام اور لادینیت کو بغور پڑھا ہے۔ لیکن اسکا عقدہ ایک پکے مسلمان کی طرح اسلامی نظام اور قرآنی احکامات پر ہے۔ اس بارے میں وہ اپنے کلام میں بیان کرتا ہے:

انگلینڈ کښې موچا چې دہ، امریکې کښې موما مادے
پہ روس دخوګمان لکہ دہ خان زمونږ ہ دے
مزغو کښې موخیالات دی دیورپ د فلسفو
پہ چین پہ دے خوشحالہ یو جانان زمونږ ہ دے
مرکز مو پہ کعبے کښې دے، خوتش برائے نام
ماسکو او واشنګټن وزړہ درمان زمونږ ہ دے(۹)

ترجمہ: انگلینڈ میں ہماری چاچی ہے اور امریکہ میں ماموں۔ روس پر خان کی طرح خوش فہمی ہے ہمارے دماغ میں یورپ کے فلسفوں کے خیالات ہیں۔ اور چین پر ایک جانان کا اعتماد ہے۔ ہمارا مرکز کعبہ ہے لیکن صرف برائے نام۔ ماسکو اور واشنگٹن ہمارے دلوں کا ارمان ہے۔

مذہب اور مسجد میں ذات پات

شیر افضل صاحب اسلام کے مقابلے میں دوسرے نظریات کو یکسر مسترد کرتا ہے۔ اسلام کے حقیقی روح اور اس کے افاقی تعلیمات کو لاگو کرنا۔ اسلامی نظام کو من وعن اور عملی طور پر اپنانا دنیا کے سارے مسئلوں اور برائیوں کا حل سمجھتا ہے۔ لیکن ساتھ میں وہ رواجی اور روایتی ملائیت کو تنقید کا نشانہ بھی بناتا ہے۔ وہ قبائلی نیم ملائیت، فرقہ واریت اور سب سے بڑھ کر مذہب کو سیاسی اور معاشی مفادات کیلئے استعمال کرنا، استحصال سمجھتا ہے۔ اسلام میں مسجد کا کردار صرف ایک عبادت گاہ تک محدود نہیں ہے۔ یہ ایک مقتدر اور مقدس ادارہ ہے۔ خاص طور پر ایک قدامت پسند پختون معاشرے میں مسجد کے کردار اور اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ من الحیث القوم پختونوں میں بڑے بڑے فیصلے یا تو مساجد میں ہوتے ہیں یا حجروں میں۔ سارے فیصلے پختونخو لی کے روایات اور اسلامی اصولوں کے تحت انجام پاتے ہیں۔ معاشرے کے نادار اور پسے ہوئے طبقات کے لوگ مساجد اور حجروں کو اپنے بہت سارے سماجی، نفسیاتی اور روحانی مسائل کے حل کیلئے مراکز سمجھتے ہیں۔ اسلامی اصولوں اور پختونولی کے روایات کے تحت دونوں جگہوں میں امیر اور غریب میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ ان دونوں اداروں میں ذات، پات، عدم مساوات اور سماجی تقسیم نسل پرستی کو ہوا دیتی ہے۔ افضل صاحب بہت کھل کر مساجد اور حجروں میں عدم مساوات کو تنقیدی نشانہ بناتا ہے۔ اس کی ذمہ دار وہ ملاؤں خان، خوانین اور سرمایہ دارانہ نظام کو ٹھہراتا ہے۔

نوے تہذیب راغے، وطن تہ ئی نخری راوړي
سیاست ځان سره په دین پسئ اريَ راوړيَ
غم او خا دی جرگئ، جلسئ پکنبے په مخه کوی
ملا نو ځان له جو ماتو نو تہ حجريَ راوړے(۱۰)

ترجمہ: نیا تہذیب اپنے ساتھ نخرے لے آیا، سیاست اپنے ساتھ دین کیلئے آرے لے آیا۔مُلا مسجد کو اپنے ساتھ حجرہ لے آیا۔ اور مسجد میں غم شادی جرگے جلسے کر دیتا ہے۔

مذہب اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں محد سے لیکر لحد تک ہر مسئلے کے حوالے سے مکمل رہنمائی اور حکم ملتا ہے۔اسکی تعلیمات ابدی ہے۔اسلام رواداری، بھائی چارے، امن، مساوات، انصاف اور حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔اگر مسلمان صدق دل سے اپنے دین کی تعلیمات پر عمل کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ دنیا اور آخر کی کامیابی حاصل نہ کریں۔لیکن شومئ قسمت ہم نے اپنے مذہبی معاملات میں ذات پات اور اونچ نیچ شروع کر رکھی ہے۔مسجد صرف ایک عبادت گاہ نہیں بلکہ اللہ کا گھر بھی ہے۔اس میں حضرت عمرؓ اور حضرت بلال حبشیؓ ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر عبادت کیا کرتے تھے۔مسجد مساوات اور برابری کا ایک زبردست نمونہ ہے۔لیکن افضل صاحب اپنے پختون سماج سے گلہ کرتا ہے کہ ہم نے مسجد جیسے مقدس ادارے کو بھی معاف نہیں کیا۔اس میں بھی تفرقہ بازی مالدار، غریب، پختون اور غیر پختون اور تفرقہ بندیاں شروع کر رکھی ہے۔نیم مُلا، خان خوانین بھی لوگوں کی معاشی اور سماجی حیثیت کے مطابق مسجد میں لوگوں سے سلوک کرتے ہیں۔اس سماجی برائی کو افضل صاحب بہت خوبصورت انداز میں بیان کرتا ہے:

یو جمات کنبے خواران دربو کنبے ولاړ وؤ
کورم خه چې خان غوړولے جانماز دے
ماويَ خدایا! ستا د کوره چړ ته لاړشم
دلته هم محمود، محمود، آیاز، آیاز دے(۱۱)

ترجمہ: ایک مسجد میں غریب لوگ درب (گھاس) پر کھڑے تھے، کیا دیکھتا ہوں ایک خان جائے نماز پر کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔میں نے کہا! اے خدا یہاں پر بھی محمود، محمود اور آیاز آیاز ہے۔ہم تیرے گھر سے کدھر جائیں۔

افضل صاحب اس بات پر بہت افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ آج کل کے لوگ صرف روایتی مسلمان ہیں۔وہ صرف ایک مسلمان کے گھر پیدا ہوئے ہیں اور عادتاً اسلام کے علمبردار ہونے کا دعوی کرتے ہیں بطورِ

خاص وہ پختون قوم کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ عادتاً نماز پڑھنا، سماجی مجبوریوں کی وجہ سے رمضان کے روزے رکھنا، نام اور شہرت کیلئے عمرے اور حج کرنا ہماری ثقافت کا ایک جزو لاینفک بن گیا ہے افضل صاحب اس موضوع پر اس طرح لکھتا ہے:

چې د خدائی د پاره حج اوکړی اوراشی
څه منمه چې بے شکه دا حاجی دے
چئې دنوم دپاره ھمی لاڑ اور راشی
دا حاجی نه دے عالمه رواجی دے(۱۲)

ترجمہ: جو کوئی خدا کیلئے حج کر کے آ جائے، بے شک وہ حاجی ہے، لیکن جو کوئی صرف نام کیلئے حج کرے یہ حاجی نہیں رواجی ہے۔

وہ پختون نوجوان سے شکوہ کر کے لکھتا ہے کہ سہل پسندی، بداخلاقی، بے راہ روی اور تربور ولی نے نوجوانوں کے کردار پر منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔ سوشل میڈیا کے بے جاہ استعمال سے نوجوان اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہو رہے ہیں۔ علم اور عقل کی بجائے وہ بے دھڑک، تیز طراز، زبان شائستہ لب و لہجہ، بد معاشی اور بداخلاقی کو اپنی کامیابی کا زینہ سمجھتے ہیں۔ چونکہ پختون بزرگ اپنے ذمہ داریوں سے غافل ہو گئے ہیں۔ اس لیے ان کی دیکھا دیکھی نوجوان بھی ان کے نقش قدم پر چلنے لگے ہیں۔ ہر ناجائز طریقے سے دولت جمع کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ بن گیا ہے۔ افضل صاحب اکثر اوقات نجی محفلوں میں ذکر کرتا ہے کہ آج کل کا پختون عمومی طور پر کرپٹ بدکردار بن گیا ہے۔ اپنے کمزور بھائی، پھوپھی، غریب رشتہ دار کے مال و دولت اور جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنا پختون نوجوان کا وطیرہ بن چکا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اوقات سے اوپر بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ غیرت، حمیت، ننگ ایسی صفات ہیں جو صرف ایک کتاب کی حد تک رہ چکی ہیں۔ غریب پر رعب جمانا اور طاقتور کے سامنے مرغی بن جانا ان کی غیرت بن چکی ہے۔(۱۳)

که ز مانګ، زما غیرت، زما مړا نه ګورئ
نو یو کمزورے او نبه زړے غوندي رور راکه
خیر دے جائیداد دِ دهغے وی خو قابض دِ څه یم
په خپل ټبر کښے یوه کونډه رُنډه ترور راکه(۱۴)

ترجمہ: اگر میری غیرت اور بہادری دیکھنا چاہتے ہو تو ایک کمزور اور نیک دل بھائی دے دو اور اپنے خاندان میں ایک بیوہ

بچاری پھوپھی (کی زمین) دے دو۔ کہ زمین اس کی ہوا اور قابض میں ہوں۔

خان خیل اور خوار خیل

پختون سماج کے طبقاتی تقسیم کے حوالے سے افضل صاحب نے اپنی شاعری میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اس تقسیم کو وہ ''خان خیل'' (خان، نواب، سرمایہ دار، جاگیردار) اور خوار خیل (خوار، غریب، مزدور، دھقان) کے ناموں سے پکارتے ہیں۔ اس فرسودہ نظام میں خان خیل اپنے سرمائے کے زور پر خوار خیل کو ہمیشہ محکوم رکھنے کی کوشش کریں گے۔ خوار خیل ہمیشہ خان خیل کی خدمت کریں گے۔ وہ اپنا تن، من اور دھن اس پہ قربان کریں گے۔ لیکن اسکی محنت اور قربانی کا کوئی صلہ نہیں ہوگا۔ خان خیل کیلئے خوار خیل کی مثال گائے اور بھیڑ بکریوں کی طرح ہے۔ جس کی پختون سماج میں کوئی قابل قدر مقام نہیں۔ افضل صاحب اس حوالے سے لکھتا ہے کہ خوانین غریبوں کے کندھوں پر پاؤں رکھ کر اور ان کی قربانیوں کے نیچے میں طاقت کے ایوانوں میں پہنچ جاتے ہیں لیکن اس کے بعد وہ نہ غریب کو یاد رکھتا ہے اور نہ ہی وہ ان کی قربانیوں کا اعتراف کرتا ہے۔ اس سماج میں غریب ہمیشہ گھاٹے میں رہیں گے۔ مالدار اور غریب کیلئے جدا جدا قوانین ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:

نوابا نو تہ پہ جیل کښې جنت جوړشي
پہ غریب باندِ ځپل کور لکہ د جیل دے
دا دروغ دي نہ ھندکے شتہ نہ پختون شتہ
پہ دنیا کښې خوک خان خیل دے خوک خوارخیل دے(۱۵)

ترجمہ: نوابوں کیلئے جیل میں جنت جیسے سہولیات ہوتے ہیں اور غریبوں کیلئے اپنا گھر بھی گور (قبر) ہے۔ یہ جھوٹ ہے نہ کوئی پختون ہے نہ ھندکی۔ دنیا میں کوئی خان خیل ہے اور کوئی خوار خیل ہے۔

موجودہ سیاسی اور سماجی نظام سے افضل صاحب بہت ہی نالاں نظر آتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ نظام استحصال، تفرقہ پرستی اور سماجی تقسیم کی بنیاد پر بنا ہوا ہے۔ یہاں پر قوانین صرف غریب کیلئے بنتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اسکے دادرسی والا کوئی نہیں ہے۔ اس نظام میں غریبوں کیلئے آگے بڑھنے کے راستے مسدود ہیں۔ اسکو اپنی انتھک محنت کے باوجود کسی بھی جگہ پر کوئی قابل ذکر پذیرائی نہیں ملے گی۔ اس نظام میں وہ صرف محنت مزدوری، مشقت اور خوانین کی خدمت ہی کرے گا۔ اگر وہ ان ذمہ داریوں سے غافل ہوتا ہے تو اسکی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ جبکہ سرمایہ دار لوگ ہمیشہ ہی بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہونگے۔

امیر خان کله وزیر کلی مشیر شي
د غریب قسمت وهل ټکوال او جیل دے
خوار غریب چه پاؤ اوړه اوګټي بس ده
سیاست خو د مالدارو خلقو کھیل دے(۱۶)

ترجمہ: امیر خان کبھی وزیر اور کبھی مشیر ہوتا ہے اور غریبوں کیلئے مار پیٹ اور جیل ہے۔ غریب کیلئے یہ کافی ہے کہ اپنے بچوں کیلئے پاؤ آٹا کمائے۔ سیاست تو سرمایہ داروں کا کھیل ہے۔

اپنی شاعری کے ذریعے سے افضل صاحب نے جس برائی کو بارہا تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ ہے ہمارے سماج میں کرپشن اور رشوت کی ناسور۔ افضل صاحب ایک بے باک نقاد اور ایک سچ گو مصلح ہے۔ ہمارے ملک میں اس برائی کے روک تھام کیلئے بڑے بڑے ادارے موجود ہیں۔ لیکن اس حوالے سے کوئی قابل قدر کامیابی ہم حاصل نہیں کر سکے۔ ہر جائز اور ناجائز کام کرنا ہو تو اس کیلئے سفارش یا رشوت دے کر آسانی سے کیا جاسکتا ہے یہ برائیاں ہمارے ہاں ہر سطح اور ہر جگہ پر موجود ہیں۔ افضل صاحب رشوت کیلئے اپنی شاعری میں ایک خاص لفظ ''گرم موٹے'' استعمال کرتا ہے۔ اسکا مطلب ہے ہاتھ گرم کرنا:

ماوې صیب سره مِ کار دے نوکر کلک شه
وې که ژرنده دِ د پلار ده نو په وار ده
چې مِ موټے ورله ګرم که مسکے شئ
وې چې زر ورشه کنې ده صیب تلوار ده(۱۷)

ترجمہ: میں نے کہا کہ صاحب کے ساتھ کچھ کام ہے۔ اس کے نوکر نے منع کیا کہ اپنی باری کا انتظار کرو۔ جب میں اسکی مٹھی بھر لی تو مسکرایا کہ جلدی کرو صاحب جانے والے ہیں۔

ہمارا معاشرہ اور سماجی تعلقات دولت کی ریل پیل کے گرد گھومتی ہے۔ اس برائی نے ہمیں اس طرح سے جکڑا ہوا ہے کہ ہم میں مثبت تنقید کا حوصلہ نہیں رہا۔ ہم من حیث القوم اندھے، بہرے اور گونگے ہو گئے ہیں۔ ہمارے مجموعی ثقافتی خدوخال کچھ اس طرح ہو گئے ہیں کہ ہم میں نیکی اور برائی، حلال وحرام کی تمیز ختم ہوتی جارہی ہے۔ ہم رشوت اور کرپشن گناہ سمجھتے ہیں نہ جرم۔ الٹا ہم مال ودولت سمیٹنا اپنے لیے فخر کی بات سمجھتے ہیں۔ مندرجہ ذیل مصرعے میں افضل صاحب رشوت اور کرپشن کیلئے ہمارے معاشرے میں مستعمل الفاظ ''د خدائې فضل'' استعمال کرتے ہیں۔

ماویٔ شیرہ! نوکری دِ مبارک شہ
کار دِ ځنګه دے؟ خط دے اوکہ شیر دے
وئ چیٔ چپ شہ غبز ئ مہ کوہ مزیٔ دی
تنخوا لګه خدایٔ فضل پکښے ډیر دے(۱۸)

ترجمہ! میں نے کہا شیر! آپ کی نوکری مبارک ہو۔ کام کیسا ہے خط ہے کہ شیری ہے (خط نقصان اور شیر فائدہ ہوتا ہے) اس نے کہا۔مزے ہیں تنخواہ کم لیکن خدا کا فضل زیادہ ہے۔

حرام ذریعے سے دولت جمع کرنا ایک شیطانی عمل ہے۔غریبوں کا حق مارنا، کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کرنا، ملاوٹ کرنا، ناپ تول میں کمی کرنا اور ہر وہ ناجائز کام جس میں کسی غریب کے حق پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے ایک استحصالی نظام کی خصوصیات ہوتے ہیں۔اس قسم کے معاشرے میں نہ سکون ہوتا ہے اور نہ امن، اس میں ہر وقت انسان ایک شیطانی چکر میں جکڑا رہتا ہے۔ یہ سارے شیطانی اعمال ہوتے ہیں۔کرپٹ لوگ جب حرام کی کمائی سے بڑے بڑے گھر اور عالیشان بنگلے بنا کر اس پر ''ماشاءاللہ'' اور ''ھذا من فضل ربی'' لکھتا ہے تو شیطان بھی ان لوگوں سے گلہ کرتا ہے۔افضل صاحب اسکو بہت خوبصورت انداز میں بیان کرتا ہے۔

یو بنګلے مخکے شیطان پہ ژړا ناست وو
ماوي ولے پہ ژرایٔ لب جي!
وئ زما پہ زوریٔ دا بنګله کړه جوړه
پریٔ ئ او لیکل ''ھذا من فضل ربی''

ترجمہ: ایک بنگلے کے سامنے شیطان روتا ہوا بیٹھا تھا۔ میں نے پوچھا دھوکے باز! کیوں رو رہے ہو۔اس نے کہا یہ بنگلہ میری برکت سے بنایا اور اس پر لکھا ہے ھذا من فضل ربی۔

حاصل کلام

اس میں کوئی شک نہیں کہ افضل صاحب بابائے طنز ومزاح ہے۔اس نے جس انداز میں شاعرانہ تنقید اپنے سماج پہ کیا ہے وہ ایک قیمتی سرمایہ اور پشتو ادب کا ایک نادر نمونہ ہے۔ وہ اپنے شاعری کے اندر سماجی اصلاحات کے ڈگر پر چلنے والے ایک قافلے کا سردار ہے۔اسی لیے وہ بابائے طنز ومزاح کے ساتھ مصلح پختونوا بھی ہے۔ان کی شاعری میں ایک عظیم مقصد چھپا ہوا ہے اور یہی پیغام وہ اپنی مسحور کن لیکن سادہ اور انسان

دوست شاعری میں پروکرلوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔ان کی شاعری میں لوگوں کیلئے نصیحت اور سبق ہے۔ وہ معاشرتی روایات کا ناقد ہے۔ وہ دلبرداشتہ بالکل نہیں ہے اور اب بھی سمجھتا ہے کہ ضروری اصلاحات کے ذریعے سے ہم اپنے معاشرے کو بامِ عروج پر پہنچا سکتے ہیں۔

چہ قدم د زمانے پہ قدم کیدی
تقدیرونہ دھغے خلقو بدلیږی
لکہ ''پل'' چہ پہ ځائ پروت وی بل تہ گوری
کاروان لاړشی دے تری روستو پاتے کیږی(۲۰)

ترجمہ: ان لوگوں کی تقدیر بدل جاتی ہے جو زمانے کے قدم پر قدم رکھتے ہیں۔ جو نقش پا کی طرح اوروں کو دیکھتے ہیں۔کارواں چلا جاتا ہے اور وہ پیچھے رہ جاتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ماسٹر شیر افضل افضلؔ، *سادہ بادہ وینا*، (صوابی: یعقوبی، ۲۰۰۵ء)، ص۳۔
۲۔ انٹرویو شیر افضل افضلؔ، youtube.com/watch?=5qCNtXlQoG
۳۔ ماسٹر شیر افضل افضلؔ، *سادہ بادہ وینا*، (صوابی: یعقوبی، ۲۰۰۵ء)، ص۵۔
۴۔ انٹرویو شیر افضل افضلؔ۔
۵۔ یہ ذکر افضل صاحب کی کتاب میں بھی ہے اور خود اجمل خٹک صاحب (مرحوم) نے بہت سارے شاعرانہ محفلوں میں افضل صاحب کی بیان کا تذکرہ کیا تھا۔ اجمل خٹک اکثر ان کو پشتو ادب کا ایک تابندہ ستارہ کہتے تھے۔ اور ان کی اصلاحی شاعری کو بہت زیادہ سراہتے تھے۔
۶۔ انٹرویو شیر افضل افضلؔ، یعقوبی ضلع صوابی، ۱۵ اگست ۲۰۱۶ء۔
۷۔ ماسٹر شیر افضل افضلؔ، *سادہ بادہ وینا*، (صوابی: یعقوبی، ۲۰۰۵ء)، ص۱۶۲۔
۸۔ یہ بات اجمل خٹک صاحب نے دو تین دفعہ مختلف اوقات میں کہا تھا۔ کرم ستار یعقوبی اکثر اوقات تقاریر میں کہا کرتا تھا کہ خٹک صاح بنے ان کے سامنے ایک دفعہ کہا تھا۔
۹۔ ماسٹر شیر افضل افضلؔ، *سادہ بادہ وینا*، (صوابی: یعقوبی، ۲۰۰۵ء)، ص۱۷۰۔
۱۰۔ ایضاً، ۱۷۲۔
۱۱۔ ایضاً، ۱۶۵۔
۱۲۔ ایضاً ص۱۶۳۔
۱۳۔ انٹرویو شیر افضل افضلؔ، یعقوبی ضلع صوابی۔

۱۴۔ ماسٹر شیر افضل افضلؔ *ساوہ باوہ وینا*، (صوابی: یعقوبی، ۲۰۰۵ء)، ص؟؟۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۲۵۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۷۱۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۶۶۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۶۳۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۷۳۔

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۸۰۔